جگن ناتھ آزاد بطور اقبال شناس

یاسمین کوثر

Abstract:

Professor Jagan Nath Azad was a renowned Urdu literature personality from India. He was known as a poet, writer and "Iqbal Shanas".He was a multidimensional personality and was internationally recognized authority on Iqbal. He had memorized all poetic work of Iqbal and was known as a "Hafiz-e kalam-e Iqbal". He devoted all his life to promote Iqbaliat in the world. After partition he faced many difficulties in this work because Iqbal was believed as a Muslim poet and thinker of Pakistan and Hindu extremist threatened him and forced him to stop this work. Azad was a true lover of Iqbal and continued his work till his death. He cultivated the relation and good will between India and Pakistan. In Iqbaliat Azad wrote many books, critical essays, and delivered many lectures in educational institutes and international conferences. He was awarded many awards and prizes not only in subcontinent but all across the globe. Now he is not in this world but his work will always remain a source of guidance for the students and researchers of Iqbaliat and Urdu literature.

علامہ اقبال ایسے عظیم شاعر تھے جنھوں نے اپنے معاصر شعرا اور ادبا کو متاثر کیا۔ ان میں ایک بڑا اہم نام جگن ناتھ آزاد کا ہے، جو کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ وہ بین الاقوامی سطح کے ممتاز ادیب وشاعر اور ماہرِ اقبالیات تھے۔ یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ پاکستان کے پہلے قومی ترانے کے خالق جگن ناتھ آزاد تھے۔ ۱۴ اور ۱۵ راگست ۱۹۴۷ء کی درمیانی رات کو ریڈیو پاکستان سے جو قومی ترانہ نشر ہوا۔ وہ جگن ناتھ آزاد کا تخلیق کردہ تھا۔ (۱) انھوں نے اردو ادب اور خاص طور پر اقبالیات کے شعبے میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ دراصل آزاد نے

جس ماحول میں پرورش پائی تھی اس میں اقبالؔ کا نام کوئی اجنبی نہ تھا۔ آزادؔ کے والد تلوک چند محرومؔ کا شمار اقبالؔ کے عقیدت مندوں میں ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے گویا آزادؔ کو اقبالؔ شناسی والد سے وراثت میں ملی تھی۔

آزادؔ بچپن ہی سے والدِ محترم کے ساتھ مختلف ادبی محفلوں میں جایا کرتے تھے۔ چنانچہ ان دنوں تقریباً ہر محفل میں اقبالؔ کا چرچا تو عام تھا۔ آزادؔ کے ذہنی ارتقا میں اس طرح کے ماحول نے ایک اہم عنصر کے طور پر کام کیا۔ رفتہ رفتہ اقبالؔ کے ساتھ آزادؔ کا تعلقِ خاطر بڑھتا چلا گیا۔ آزاد کہتے ہیں کہ ابتدا میں مجھے اقبالؔ کی شاعری خصوصاً اس کے فنی پہلو نے زیادہ متاثر کیا۔ اس وقت میں تیسری چوتھی جماعت کا طالب علم تھا۔ نانا کیول رام اکثر اقبالؔ کا یہ شعر گنگنایا کرتے تھے۔

اڑالی قمریوں نے ،طوطیوں نے ،عندلیبوں نے
چمن والوں نے مل کر لوٹ لی طرزِ فغاں میری (۲)

بقول آزادؔ:

''یہ شعر سنتے ہی مجھ پر ایک عجیب وغریب کیفیت طاری ہو جایا کرتی تھی۔ میں اس کا سبب تو بیان نہیں کر سکتا کیوں کہ اس عمر میں اس شعر کے مفہوم سے قطعاً ناآشنا تھا لیکن یہ شعر مجھ پر سحر طاری کر دیتا تھا۔ یہ اقبالؔ یا کلامِ اقبالؔ کے ساتھ میرا پہلا تعارف تھا۔''(۳)

جگن ناتھ آزادؔ علامہ کی طویل اور مختصر نظمیں اتنی دفعہ شوق سے پڑھتے تھے کہ وہ انھیں ازبر ہو جاتی تھیں۔ ان کے والد نے انھیں ''بانگِ درا'' پڑھنے کو دی تو انھوں نے اسے شوق سے اتنی بار پڑھا کہ ساری کتاب زبانی یاد ہو گئی۔ (۴) بقول آزادؔ:

''یہاں سے کلامِ اقبالؔ کے ساتھ صحیح معنوں میں میری دلچسپی کا آغاز ہوا۔ جہاں تک اقبالؔ کی فکر یا دوسرے لفظوں میں فلسفیانہ نظریات کا تعلق ہے۔ ان پر غور وخوض میں نے بعد میں شروع کیا۔''(۵)

آزادؔ کی اقبالؔ سے یہ محبت رفتہ رفتہ بڑھتی چلی گئی۔ ایک دفعہ آزادؔ لاہور جانے لگے تو والد نے تاکید کی کہ بیٹا اقبالؔ سے ضرور ملنا، لیکن آزادؔ کہتے ہیں کہ میں نے خود کئی دفعہ ارادہ کیا کہ علامہ سے جا کر مل آؤں لیکن دل میں حوصلہ ہی پیدا نہ ہو سکا۔ دراصل میرے دل میں جو اقبالؔ کی تصویر تھی اور جو امیج تھا۔ اس کی وجہ سے میں ہمیشہ کشمکش میں رہا کہ اتنے بڑے شاعر کے سامنے جب بھی جاؤں گا تو کیسے بات کروں گا؟۔۔۔ یہ نظمیں لکھنے والا کوئی عام انسان ہماری آپ کی طرح تو نہیں ہو سکتا۔۔۔ میں اس کے سامنے کیا بات کروں گا؟ تو میں نہ ملنے کو ہی ترجیح دیتا رہا۔ (۶) آزاد اگر اقبالؔ سے ملنے جاتے تو ان کی حیثیت ایک اجنبی کی سی نہ ہوتی کیونکہ آزادؔ کے والد تلوک چند محرومؔ سے اقبالؔ کے اچھے تعلقات تھے۔ اقبالؔ کا گھر کھلا دربار تھا۔ جو چاہتا تھا بآسانی علامہ تک رسائی حاصل کر کے ان کا نیاز حاصل کر لیتا لیکن آزادؔ میں اتنے بڑے شاعر کی خدمت میں حاضر ہونے کا حوصلہ ہی نہ تھا۔ آزادؔ نے ایک ملاقات میں اس سلسلے میں جگر مرادآبادی کا ایک شعر پڑھا تھا۔

اس شاہد لفظ و معنی سے ملنے کی تمنا سب کو ہے
ہم اس کے نہ ملنے پر ہیں فدا لیکن یہ مذاقِ عام نہیں (۷)

آزادؔ ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مولانا تاجور نجیب آبادی نے اقبالؔ سے دورانِ گفتگو کہا کہ علامہ آپ کو اپنا سارا کلام یاد نہ ہو گا لیکن لاہور میں ایک لڑکا ہے جسے آپ کا سارا کلام ''اسرار'' سے لے کر ''ارمغان'' تک نوکِ زبان ہے۔ علامہ نے پوچھا کون ہے؟ تاجور صاحب نے کہا کہ محرومؔ صاحب کا بیٹا ہے علامہ نے فرمایا لاؤ اسے یہاں۔ آزاد جب اپنے استاد تاجور صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے یہ واقعہ سنایا اور کہا کہ دنیا بھر سے بڑے بڑے دانشور اقبالؔ سے ملنے ان کے گھر آتے ہیں۔ تمھارے لیے انھوں نے خود فرمایا ہے کہ اسے یہاں لاؤ اور تم ہو کہ رو پوش ہوتے پھرتے ہو۔ اقبالؔ کا کلام جتنا تمھیں یاد ہے اتنا شاید ہی کسی اور کو یاد ہو اور حیرت ہے کہ تم نے اقبالؔ کو نہیں دیکھا۔ اگر ان کی خدمت میں حاضر نہیں ہو گے تو زندگی بھر پچھتاؤ گے۔ پرسوں شام کو آؤ ان کے وہاں چلیں گے۔ وہ علیل ہیں تھوڑی دیر بیٹھ کر اٹھ آئیں گے۔ میں نے وعدہ کیا کہ ضرور آؤں گا لیکن اس روز میں مولانا کے وہاں نہیں پہنچا کیونکہ ہماری منزلِ مقصود علامہ اقبالؔ کے درِ دولت تک رسائی تھی۔ (۸)

عین وصال میں مجھے حوصلہ ءِ نظر نہ تھا
گر چہ بہانہ جو رہی میری نگاہِ بے ادب (۹)

مجھے کیا معلوم تھا کہ میری یہ حسرت ہمیشہ کے لیے دل میں رہ جائے گی اور میں زندگی بھر اس بات پر پچھتا تا رہوں گا کہ دریا کے کنارے پر بھی میں پیاسا ہی رہا۔ دن گزرتے گئے اور آخر ایک دن علامہ اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے۔ (۱۰) آزاد کو اس المیے کا بڑا دکھ ہوا۔ جس کا اظہار انھوں نے اپنے مرثیے ''ماتمِ اقبالؔ'' میں کیا ہے۔ جگن ناتھ آزادؔ کو وہ دن بھی اچھی طرح یاد تھا۔ جب علامہ نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس دارِ فانی کو الوداع کہا۔ جگن ناتھ آزادؔ کے والد تلوک چند محرومؔ ایک سکول میں ہیڈ ماسٹر تھے۔ انھوں نے جیسے ہی علامہ اقبالؔ کے انتقال کی خبر ریڈیو پر سنی، فوراً ہی اپنا سکول بند کرنے کا حکم دیا اور افسردہ حالت میں سر جھکائے گھر میں داخل ہوئے۔ جگن ناتھ آزادؔ سے کہا کہ وہ فوراً کاغذ پنسل لے آئے۔ اس موقع پر تلوک چند محرومؔ نے ایک طویل تعزیتی نظم کہی۔ اس میں اقبالؔ کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا گیا۔ (۱۱)

ایک قدرتی محبت تھی جو بن دیکھے اقبالؔ کے فن کے ذریعے آزادؔ کے دل میں پیدا ہو گئی تھی۔ یہ جذبۂ عشق پروان چڑھتا رہا۔ علامہ کا یہ سچا عاشق ایک غیر مسلم تھا۔ بقول او۔این کول:

> ''اقبالیات پر ابھی تک ایسے قد آور ماہرین نہیں ابھرے ہیں۔ آزادؔ صاحب کے کام کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ بڑی حد تک انھوں نے اس خلا کو پر کیا ہے۔ آزادؔ صاحب کے استاد شمس العلما مولانا تاجور نجیب آبادی تقسیمِ ہند تک ان کا تعارف حافظِ کلامِ اقبال کہتے ہوئے دیا کرتے تھے۔''(۱۲)

آزاؔد نے اقباؔل پر مختلف حوالوں سے کام کیا ہے۔

۱۔ اقبالیات پر تصانیف

۲۔ اقبالیات پر تنقیدی مقالات ،لیکچرز اور مضامین

۳۔ فروغِ اقبالیات کے لیے اقدامات

آزاؔد نے اقبالیات کے شعبے میں جن کتب کا اضافہ کیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(الف)۔ تحقیق وتنقید:

۱۔ اقبال اور اس کا عہد

۲۔ اقبال اور مغربی مفکرین

۳۔ اقبال اور کشمیر

۴۔ Iqbal: Mind and Art

۵۔ Iqbal: His Poetry and Philosophy

۶۔ ہندوستان میں اقبالیات پر توسیعی لیکچرز

(ب) اقبال کی سوانح:

۷۔ اقبال ،زندگی ،شخصیت اور شاعری

۸۔ محمد اقبال ۔ایک ادبی سوانح حیات

۹۔ رودادِ اقبال (اقبال کی مفصل سوانح حیات جو زیرِ طبع تھی اور موت کی وجہ سے نامکمل رہ گئی)

(ج) متفرقات:

۱۰۔ اقبال کی کہانی

۱۱۔ بچوں کا اقبال

۱۲۔ مرقعِ اقبال

۱۳۔ فکرِ اقبال کے بعض اہم پہلو

آزاؔد نے اقبالیات میں تحقیق وتنقید کے حوالے سے مذکورہ بالا تین اردو اور دو انگریزی میں بہت اہم کتابیں تصنیف کیں ۔ جو اردو ادب میں خاص مقام رکھتی ہیں۔ علاوہ ازیں ان کے بہت سے غیر مدون تنقیدی مقالات ہیں، جو مختلف رسائل میں شائع ہو چکے ہیں لیکن کسی مجموعے میں شامل نہیں ہیں۔

''اقبال اور اس کا عہد''دراصل آزاؔد کے تین توسیعی لیکچروں کا مجموعہ ہے، جو انھوں نے جموں وکشمیر یونیورسٹی کی دعوت پر دیے ۔ یہ کتابی شکل میں ۱۹۶۰ء میں الہٰ آباد سے پہلی بار شائع ہوئے ۔ اسکے علاوہ اس کے پاکستانی ایڈیشن بھی شائع ہو چکے ہیں۔ ان تینوں لیکچروں کے عنوان یہ ہیں۔''شعرِ اقبال کا ہندوستانی پس منظر''،''اقبال کے کلام کا صوفیانہ لب ولہجہ''،اور'' اقبال اور اس کا عہد''۔ یہ لیکچر اپنے موضوع کے حوالے سے بڑے

مفید، جامع اور معیاری ہیں۔ آزادؔ والہانہ حد تک اقبالؔ کے مداح ہیں لیکن ان مضامین میں ان کی شیفتگی نے کسی جگہ غیر منطقی شیفتگی کی صورت اختیار نہیں کی اور یہی سب سے بڑی خصوصیت اس کتاب کی ہے۔ (۱۳) ڈاکٹر منظر اعظمی اس کتاب کی تعریف میں اس طرح رقم طراز ہیں:

''یہ تین خطبات ہیں جن کی وقعت اور نوعیت ان کے عنوانات ہی سے ظاہر ہے۔ اس کتاب نے شاعر آزادؔ کو ایک اہلِ نظر ماہر اقبال کی حیثیت سے پیش کرنے کا آغاز کیا۔ اہلِ علم ادیبوں اور محققوں نے چونک کر آنکھیں کھولیں اور اس کی ان تاثرات کے ساتھ پذیرائی کی۔' (۱۴)'

ان لیکچروں کا اندازِ بیان بڑا صاف، رواں اور پر تاثیر ہے۔ مولانا عبدالماجد دریا بادی لکھتے ہیں:

''جگن ناتھ آزادؔ شاعر ہی اچھے نہیں، بلکہ نثر کے بھی اچھے اور سلجھے ہوئے لکھنے والوں میں ہیں۔ ان کے یہ تین لیکچر شعر، ادب، نقد و نظر اور اسلامیات کے طلبا کے پڑھنے کے قابل ہیں۔ سلیس، شگفتہ انداز میں باتیں خوب پتے کی کہہ گئے ہیں۔'' (۱۵)

آزاد کی دوسری اہم تنقیدی کتاب ''اقبال اور مغربی مفکرین'' ہے، جو پہلی بار دسمبر ۱۹۷۵ء میں دہلی سے شائع ہوئی۔ اس کے کئی ایڈیشن پاکستان سے بھی شائع ہوئے۔ اسے ادبی حلقوں میں خاصی پذیرائی ملی۔ اس کتاب میں مصنف نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ ناقدینِ اقبال میں سے ایک گروہ ایسا ہے، جس کا یہ نظریہ ہے کہ اقبالؔ مغربی فلسفے کے سخت مخالف تھے، جب کہ دوسرے گروہ کا اس کے برعکس یہ کہنا ہے کہ علامہ کا سارا فلسفہ مغربی مفکرین کے مرہونِ منت ہے۔ آزادؔ کے خیال میں اعلیٰ شاعری اس کے برعکس کسی فلسفیانہ نظریے کی تقلید یا مکمل تردید نہیں ہوتی۔ اس لیے وہ دونوں گروہوں سے متفق نہیں ہیں۔

آزاد نے اس کتاب کا آغاز یونانی فلسفہ اور اقبال سے کیا۔ پھر جدید مغربی مفکرین میں بیکن، لاک، کانٹ، فختے، شوپن ہائر، کارل مارکس، نیٹشے، برگساں، دانتے، ملٹن، گوئٹے اور آئن سٹائن سے اقبالؔ نے جو استفادہ کیا۔ اسے بیان کیا گیا ہے۔ مجموعی طور پر یہ ایک فکر انگیز کتاب ہے۔ اس موضوع پر اردو میں بہت کم لکھا گیا ہے۔ اکثر ناقدینِ ادب نے اسے اقبالیات میں ایک بہترین اضافہ قرار دیا ہے۔ بقول ڈاکٹر وحید قریشی:

''نثر میں اقبال اور مغربی مفکرین میری رائے میں سب سے اچھی کتاب ہے۔'' (۱۶)

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے بھی اس کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

''اقبال اور مغربی مفکرین اپنے موضوع پر ایک عالمانہ مطالعہ ہے۔۔۔ یہ کتاب اقبالیاتی ادب میں ایک وقیع مقام رکھتی ہے۔ پروفیسر جگن ناتھ آزادؔ کی اس کتاب سے اقبالیات کے طالب علم برسوں تک استفادہ کرتے رہیں گے۔'' (۱۷)

''اقبال اور کشمیر'' آزادؔ کی ایک اور مفید تحقیقی کتاب ہے۔ آغاز میں مصنف نے اپنی ان مشکلات کا ذکر کیا ہے، جو اس کتاب کو تحریر کرنے میں انھیں درپیش آئیں۔ آزادؔ کے خیال میں اقبالؔ کو کشمیر سے ایک روحانی تعلق بھی

تھا۔ان کے اجداد کا تعلق بھی کشمیر سے تھا۔مصنف اپنی اس تحریری کاوش سے مطمئن نہیں، کیونکہ انھیں مناسب وقت اور اطمینان میسر نہ تھا ۔ پھر بھی ان کے خیال میں یہ کتاب اقبالؔ کے قارئین کے لیے''خام مال'' کی حیثیت ضرور رکھتی ہے ۔(۱۸)

اقبال اور کشمیر کا بہت گہرا تعلق تھا۔جس کا ثبوت اس وقت ملا، جب آزادؔ نے اکتوبر ۱۹۷۳ء کشمیر میں اقبال نمائش کا انعقاد کرایا۔اس میں شیخ محمد عبداللہ مہمانِ خصوصی تھے۔ان کی تقریر کے حوالے سے آزادؔ نے بتایا کہ اقبال دوستوں سے وعدہ کر کے گئے تھے کہ وہ پھر کشمیر آئیں گے، مگر قدرت کو یہ منظور نہ تھا۔اس لیے وہ حقیقی طور پر تو نہیں البتہ اس نمائش میں تصویروں کی شکل میں کشمیر آ گئے ہیں اور انھوں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے ۔ یہاں آزادؔ نے غالبؔ کا یہ مصرع لکھا، جو بہت ہی حسبِ حال ہے ۔

ع کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

آزادؔ نے ''اقبال اور کشمیر'' کے موضوع پر اردو میں سب سے پہلی کتاب لکھی، جس میں زیرِ بحث موضوع پر بڑی تفصیل اور جامعیت سے بحث کی گئی ہے ۔آزادؔ کی اس اولین اور کامیاب کاوش کے بعد اس موضوع پر دو اور کتابیں بھی شائع ہو چکی ہیں ۔ ایک ڈاکٹر صابر آفاقی کی اور دوسری سلیم خاں گمی کی کتاب ہے ۔ ان دونوں کی کتابوں کے نام''اقبال اور کشمیر'' ہیں۔آفاقی کی کتاب میں چند غیر ضروری تفصیلات دی گئی ہیں ۔جس سے اس کی اہمیت کم ہو جاتی ہے ۔اس میں اقبالؔ کے اجداد اور کشمیری لفظوں کی تشریح میں تین ابواب دے دیے ۔''جاوید نامہ '' کے اشعار کی تشریح دی گئی ہے گمی کی کتاب بھی آزادؔ کی تصنیف کے بعد شائع ہوئی ۔انھوں نے بھی کلامِ اقبال پر کشمیر کا ذکر تفصیل سے کیا ہے، لیکن اقبالؔ کے سفرِ کشمیر پر زیادہ تحقیق نہیں کی ہے ۔

مجموعی طور پر یہ کتاب اپنے موضوع پر بہت اچھی تصنیف ہے ۔جس میں خاصی محنت سے کام لیا ہے ۔ غلام رسول رنیز د لکھتے ہیں :

> ''کشمیر میں رہ کر آزادؔ نے اقبال اور کشمیر پر جو تحقیق کی وہ بے مثال ہے ۔۔۔اقبال کے اس قلبی تعلق کو ان کا سفرِ کشمیر اس کی رموز و کنایات اس کی تفاصیل کے بارے میں جس طرح آزادؔ نے تحقیق کی ہے وہ یقیناً بے مثال ہے۔''(۱۹)

۱۹۷۹ء میں جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگوئجز سری نگر(Jammu and Kashmir Academy of Art Culture and Languages) نے اس کتاب پر مصنف کو ایوارڈ دیا۔اس کے علاوہ ۱۹۸۱ء میں آل انڈیا میر اکیڈمی لکھنؤ(All India Mir Academy) نے بھی اس کتاب پر مصنف کو ایوارڈ دیا۔(۲۰)

مجموعی طور پر آزادؔ کی اس تصنیف کو اپنے موضوع میں اولیت حاصل ہے ۔ان کی یہ کاوش اپنی مثال آپ ہے ۔ان کے اس کام کے ذریعے نئے آنے والوں کے لیے اس موضوع پر کام کرنے کی راہ ہموار ہوئی ہے ۔آزاد نے بڑے کٹھن مراحل سے گزر کر اس موضوع پر مواد اکٹھا کیا۔

''اقبال ہز پوئٹری اینڈ فلاسفی''(Iqbal: His Poetry and Philosophy)آزاد کی اقبالیات میں ایک اور قیمتی اضافہ ہے ۔ یہ کتاب دراصل ان کے تین انگریزی لیکچروں کا مجموعہ ہے ، جو انھوں نے ۱۹۷۸ء میں میسور یونی ورسٹی کی دعوت پر یونی ورسٹی پیش کیے تھے ۔ یہ لیکچر پہلی بار کتابی شکل میں ۱۹۸۱ء میں میسور یونی ورسٹی سے شائع کیے گئے ۔ یہ مقالات درج ذیل موضوعات پر تھے ۔

۱۔ اقبال کی شاعری کا ہندوستانی پس منظر

۲۔ اقبال ۔شاعراور سیاست دان

۳۔ اقبال ۔اس کی شاعری اور فلسفہ

''اقبال کی شاعری کا ہندوستانی پس منظر'' مقالہ میں آزاؔد نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ اقبال کو ہندوستانی کلچر سے دلی لگاؤ تھا اس کے ثبوت میں انھوں نے اقبال کی نظم ''آفتاب'' پر تفصیل سے بحث کی ہے جو گایتری کا اردو ترجمہ ہے۔ اقبالؔ نے حب الوطنی کے جذبے سے سرشار ہوکر''تصویر درد''،''سرگزشت ِآدم''،''ترانہ ہندی''اور''ہندوستانی بچوں کا گیت''،جیسی نظمیں تخلیق کیں۔''بانگ ِ درا'' کی پہلی نظم ''ہمالہ'' میں بھی جذبہ حب الوطنی جھلکتا ہے ۔مصنف نے یہ اقرار کیا کہ اقبالؔ واحد شاعر ہیں جنھوں نے فارسی کے قارئین کو ہندوستانی فلسفے سے روشناس کرایا۔مجموعی طور پر یہ مقالہ اقبالؔ کے کلام سے متعلق چند غلط فہمیوں کا ازالہ بھی کرتا ہے ۔

دوسرے مقالے''اقبال۔شاعراور سیاست دان'' کا تحرک ''السٹریٹڈ ویکلی آف انڈیا''(Illustrated Weekly of India)کے شمارہ ۱۱/مارچ ۱۹۷۳ء میں چھپنے والی ایک رپورٹ بنی ۔جس میں شائع شدہ ایک مذاکرے میں اقبالؔ کو صرف ملت ِ اسلامیہ کا شاعر کہا گیا تھا۔آزاؔد کو اس رائے سے اختلاف تھا۔چنانچہ انھوں نے اس سلسلے میں اپنے خیالات کے اظہار کے لیے یہ مقالہ تحریر کیا ۔یہ مقالہ خاصا طویل ہے ۔آزاؔد نے پہلے تو اقبالؔ پر مفکرِ اسلام کی حیثیت سے بحث کی ہے ۔ پھراس بحث کا نتیجہ یہ نکالا کہ اقبالؔ کی فکر کا بنیادی ذریعہ قرآن مجید اور حدیث ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اقبالؔ نے کسی اور مذہب کے فلسفے کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا۔بطور سیاست دان اقبالؔ کی فکر پر بحث کرتے ہوئے مصنف نے ان کی سیاسی سرگرمیوں کا ذکر کیا ہے اور بتایا کہ اقبال کن کن سیاسی عہدوں پر فائز رہے ۔ اقبالؔ نے سیاست میں اس طرح سے شمولیت اختیار کی کہ وہ معروف معنوں میں سیاست دان نہ تھے ۔آزاؔد کا خیال ہے کہ اقبال کو بطور مفکر اور فلسفی زیادہ سراہا گیا ہے لیکن بطور شاعر ان پر بہت کم کام ہوا ہے اور بعض حضرات نے تو اقبال کو شاعر ماننے سے انکار کر دیا ہے ۔مثلاً کلیم الدین احمد،ڈاکٹر سچدانند سنہا ،ڈاکٹر صادق وغیرہ ۔ جب کہ آزاؔد کے خیال میں بطور شاعر اقبالؔ کا درجہ دانتے ،ملٹن ،فردوسی ،رومی اور غالبؔ جیسے شعرا کے برابر ہے ۔

''اقبال ۔اس کی شاعری اور فلسفہ''مقالہ میں علامہ کی شاعری کے مختلف پہلوؤں کی نشاندہی مختلف اصحاب کے خیالات میں کی گئی ہے ۔ یہ خطبہ گزشتہ خطبے سے مربوط معلوم ہوتا ہے ۔مصنف اقبالؔ کے فلسفے پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کے ہاں فلسفہ ایک موضوع نہیں بلکہ یہ تمام موضوعات کے مطالعے کا راستہ ہے ۔جس میں

مذہب بھی شامل ہے۔اقبالؔ نے مغربی فلسفیوں سے بھی استفادہ کیا۔انھیں من وعن قبول نہیں کیا۔انھوں نے فن اور زندگی کے درمیان فرق کو مٹا دیا۔وہ فن میں ''ضربِ کلیمی'' کو اہم سمجھتے ہیں۔ایسا فن زندگی میں تبدیلی لاتا ہے۔آزادؔ نے اقبالؔ کو''انسانیت کا پیغمبر'' کہا ہے۔اقبالؔ ماضی کے آئینے میں مستقبل کو دیکھتے ہیں۔

آزادؔ نے اقبالؔ کو بحیثیت فلسفی ،مفکر ،سیاست دان کے علاوہ ان کی شاعرانہ حیثیت کو بھی بڑی اہمیت دی ہے۔بعض لوگ اقبالؔ کو صرف مسلمانوں کے رہنما شاعر تک محدود کر دیتے ہیں۔اقبالؔ کو ہمہ جہت شاعر سمجھنا چاہیے۔فاضل مصنف نے مختلف حضرات کی کتابوں سے اقتباسات دیے ہیں،لیکن ان کے حوالے نہیں دیے۔یہ کمی اس کتاب میں بری طرح کھٹکتی ہے۔ویسے یہ مقالات خاصی محنت سے لکھے گئے ہیں اور اقبالیات میں قابل قدر اضافہ ہیں۔

آزادؔ کی کتاب''اقبال مائنڈ اینڈ آرٹ'' (Iqbal: Mind and Art) پہلی بار جون ۱۹۸۳ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔اس کی تقریب رونمائی میں ڈاکٹر جاوید اقبال اور دیگر بڑے ادیبوں نے شرکت کر کے آزاد کی کاوش کو سراہا ہے۔ڈاکٹر محمد معروف اس کتاب کے مرتب ہیں۔مقالات کی تفصیل اس طرح سے ہے۔

''اقبال کی تاریخ پیدائش'' مقالے میں مصنف نے بتایا ہے کہ ۱۹۷۳ء میں اقبال صدی کے موقع پر ان کی صحیح تاریخ پیدائش کا مسئلہ پیدا ہوا۔یہ مسئلہ ہندوستان اور پاکستان دونوں ممالک میں توجہ طلب تھا۔چند اداروں نے اقبال صدی کی تقریبات ۲۲ فروری ۱۹۷۳ء کو منائیں،لیکن اس کے باوجود ایک ایسے ادارے کی ضرورت تھی ،جو کسی ایک حتمی تاریخ کا اعلان کرتا جس پر سب لوگ متفق ہوں۔اس باب میں اس مسئلے پر مختلف ضمنی عنوانات کے تحت تفصیل سے مدلل انداز میں بات کی گئی ہے۔پاکستان میں اس مسئلے کے لیے اس وقت کے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے ایک خاص کمیٹی مقرر کی ،جس نے آخر کار ۹ نومبر ۱۹۷۷ء ہی کو اقبالؔ کی صحیح تاریخ ولادت تسلیم کرلیا۔اقبالؔ کے فرزند ڈاکٹر جاوید اقبال نے بھی اسی تاریخ کی حمایت کی تھی۔جگن ناتھ آزادؔ نے ۱۸ فروری ۱۹۷۳ء کے ''ہندوستان ٹائمز'' نئی دہلی میں اس موضوع پر ایک محققانہ مقالہ لکھ کر ۹ نومبر ۱۹۷۷ء ہی کو قطعی طور پر اقبال کی تاریخِ ولادت قرار دیا۔ ہندوستان اور پاکستان میں صحیح تاریخ ولادت کی بحث بعد میں شروع ہوئی تھی۔اور انجام کار یہی تاریخ درست تسلیم کر لی گئی۔چنانچہ اسی تاریخ کو پاک و ہند میں سرکاری طور پر درست مانا گیا اور اسی تاریخ کو اقبال صدی کا جشن منایا گیا۔

دوسرے مقالے''اقبال کی شاعری کا ہندوستانی پس منظر'' پر بحث کی ہے ۔بعض نقاد ان کو صرف اسلامی شاعر کہتے ہیں۔آزادؔ کے نزدیک اقبالؔ ان کی شاعری اور اسلام تینوں کے ساتھ ناانصافی ہے۔اس باب کا آغاز ان الفاظ میں ہوتا ہے:

یہ ساری غلط فہمیاں اقبالؔ کو ایک محدود زاویہ نظر سے دیکھنے کی وجہ سے پیدا ہوئیں۔علامہ کی حب الوطنی کی وجہ سے انھیں نیشنلزم کے پیمانے سے ناپا جانے لگا۔آزادؔ کے ہم عصر پروفیسر آزاد گلاٹی اس باب پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

آزاؔد کا یہی مقالہ ان کی کتاب ''اقبال ہز پوئٹری اینڈ فلاسفی'' میں بھی شامل ہے جس پر پہلے بحث ہو چکی ہے۔

تیسرا مقالہ بعنوان ''اقبال شاعر اور سیاست دان'' میں مصنف نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ اقبال ایک ایسے سیاست دان اور فلسفی تھے جنھوں نے عالمی اخوت کا تصور پیش کیا۔فکرِ اقبال کے ارتقا کی کہانی تلاشِ حق کی کہانی ہے۔ سیاسی لحاظ سے وہ جو کچھ بھی ہوں۔ بہر حال وہ ہندوستان کے ایک عظیم شاعر تھے۔ اقباؔل کی عظمت ان کے سیاسی نظریات میں نہیں ہے بلکہ ان کے اختراعی فن میں وہ کمال ہے جس نے انھیں یہ مقام دیا۔مصنف نے یہ شکوہ کیا ہے کہ اقباؔل کے مداحوں نے ان کے فکر وفلسفے پر بڑی ضخیم کتابیں تصنیف کر ڈالی ہیں، مگر شاعر اقبال کے بارے میں بہت کم لکھا گیا ہے۔ یہ مقالہ''Iqbal: His Poetry and Philosophy'' کتاب میں بھی شامل ہے۔

''اقبال اس کی شاعری اور فلسفہ'' مقالہ میں مختلف ادیبوں، ناقدین اور اکابرین کی آرا درج ہیں۔ درحقیقت وہ ایک شاعر، فلسفی اور صاحبِ کمال اور با بصیرت انسان تھے۔ یہ مقالہ ''اقبال ہز پوئٹری اینڈ فلاسفی'' (Iqbal: His Poetry and Philosophy) کتاب میں بھی شامل ہے جس پر پہلے بحث ہو چکی ہے۔

''اقبال، شوپن ہائر اور قرآن'' مقالے میں مصنف نے اقباؔل اور شوپن ہائر کے نظریات پر بحث کی ہے۔شوپن ہائر کے ہاں انسانی عظمت کا اعتراف اور آرزو کی تکمیل ہی آرزو کی موت جیسے خیالات سے اقباؔل متاثر ہوئے۔علامہ نے زندگی کو بامقصد معنی دیے ہیں۔دراصل رجائیت ہی زندگی کو با مقصد بناتی ہے۔ جو ان کے ہاں بکثرت ہے۔

''اقبال، اسلام اور زمانہ جدید'' مقالے میں اقباؔل کے خطبات کے ساتھ ساتھ ان کے فلسفے پر بھی بحث کی گئی ہے۔مغرب میں نشاۃِ ثانیہ کا دور شروع ہو چکا تھا۔ اس کے اثرات مشرق میں بھی نمایاں نظر آرہے تھے۔اقباؔل بھی اس سے بہت متاثر ہوئے۔ اقباؔل کے ''مردِ مومن'' اور نطشے کے ''سپر مین'' میں بڑا فرق ہے۔ سپر مین الحادی قوت ہے، جب کہ ''مردِ مومن'' اللہ کے تابع ہے۔ اقبال تصوف کے خلاف نہ تھے، بلکہ وہ صرف عجمی تصوف کے مخالف تھے۔ ان کے لیے آپ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ تھا۔

زیرِ نظر کتاب کا دوسرا حصہ چار ضمیموں پر مشتمل ہے۔ پہلے ضمیمے میں یہ بتایا ہے، کہ علامہ وفات سے چند ماہ پہلے ایک انگریزی نظم لکھنا چاہتے تھے۔ اس کے لیے وہ نطشے کی کتاب ''بقول زردشت'' کو خاکے کے طور پر سامنے رکھے ہوئے تھے۔ اس نظم کا نام "The Book of a Forgotten Prophet" رکھنا چاہتے تھے، لیکن موت نے مہلت ہی نہ دی اور یہ کام پورا نہ ہو سکا۔ اس کے علاوہ اقبال کی زبانی مختلف موضوعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

دوسرے ضمیمے میں آزاؔد کے تین خطوط شامل ہیں۔ یہ تینوں جوابی خطوط ہیں، جو بحث و مباحث کے سلسلے میں "Illustrated Weekly of India" بمبئی اور "Hindustan Times" نئی دہلی میں شائع ہوئے

۔ان کے موضوعات یہ ہیں ۔اقبال کا نظریہ تصوف کیا ہے ؟ کیا اقبال صرف مسلمانوں کے شاعر ہیں ؟اقبال امید اور عمل کا شاعر ۔

تیسرے ضمیمے میں اقبال سنگھ کی کتاب "The Ardent Pilgrim" پر ایک تبصرہ ہے ۔ بحیثیت مجموعی آزاؔد نے اس کتاب کو سراہا ہے ۔سوانحی نقطہء نظر سے بھی اس کتاب میں حیاتِ اقبال کے بعض مخفی گوشے پہلی بار منظرِ عام پر آئے ہیں ۔''حافظ اور اقبال''یوسف حسین خان کی کتاب ہے ۔جس پر آزاؔد نے تبصرہ کیا ہے ۔اس کے علاوہ آزاؔد نے پنڈت آنندنرائن ملاّ کے انگریزی ترجمے''لالہ ءطور''اقبال کی وہ رباعیات ہیں ،جو''پیامِ مشرق ''میں شامل ہیں ۔

مجموعی طور پر یہ کتاب اقبالیات کے قارئین کے لیے ایک مفید اضافہ ہے ۔جس میں اقبالؔ کی فکر اور شاعری پر مختلف حوالوں سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس سے مصنف کے وسعتِ مطالعہ ،اقبالیات اور دیگر علوم سے ان کی واقفیت کا پتا چلتا ہے۔اس کتاب پر حسن اختر اس طرح تبصرہ کرتے ہیں ۔

''اقبال ۔فن اور فکر ، علامہ اقبال کے بارے میں بے حد مفید کتاب ہے اور ہمیں علامہ کے بارے میں غور و فکر پر مجبور کرتی ہے۔ اس کے مطالعہ سے ہم علامہ اقبال کو پہلے سے بہتر انداز میں سمجھنے کے قابل ہو جاتے ہیں ''(۲۱)

آزاؔد کی ایک اور بڑی کاوش ''رودادِ اقبال'' تھی ۔ جو ان کی وفات کی وجہ سے نامکمل رہ گئی ۔ یہ دراصل اقبالؔ کی مفصل سوانح حیات تھی ، جسے انھوں نے لکھنا شروع کیا تھا۔ اس کا کچھ حصہ لکھ بھی لیا تھا،جس کے بارے میں ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

''حیاتِ اقبال پر ایک اہم کتاب جگن ناتھ آزاؔد لکھ رہے اس کا ایک باب 'شب خون' میں چھپ چکا ہے۔''(۲۲)

اقبالؔ پر بہت سے غیر مدون تنقیدی مضامین بھی ہیں، جو ان کی کسی کتاب میں شامل نہیں ہیں ،لیکن ان سے بھی اقبالؔ کے بارے میں ان کے خیالات کا اندازہ ہوتا ہے۔سوانح اقبال،آزاؔد کی اقبالیاتی کاوشوں کا ایک اہم موضوع ہے۔اس پر ان کی دو کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔'' رودادِ اقبال'' کئی جلدوں میں لکھنے کا ارادہ تھا،لیکن زندگی نے ساتھ نہ دیا اور کام ادھورا رہ گیا۔

''اقبال ۔زندگی،شخصیت اور شاعری'' کتاب آزاؔد نے چودہ سے اٹھارہ سال کے طلبہ کے لیے تحریر کی ہے۔ یہ کتاب چار حصوں میں تقسیم کی گئی ہے۔ پہلا حصہ ولادت سے انتقال تک ،دوسرا حصہ شخصیت،شاعری اور فلسفہ،تیسرا حصہ چند یادگار تصویریں اور چوتھا حصہ انتخابِ کلام پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب ہندوستان بھر کے سینٹرل اسکولز(Central Schools) کے نصاب میں شامل ہے۔(۲۳) اس کتاب کو بہت پذیرائی ملی ۔ ۱۹۷۹ء میں پنجاب بھاشا وبھاگ پٹیالہ نے آزاد کو اس کتاب پر ایوارڈ دیا ۔(۲۴)

آزاؔد نے اپنی تصنیف ''محمد اقبال ۔ایک ادبی سوانح حیات'' کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے،اور ہر حصہ مختلف

ابواب میں منقسم ہے۔ ہر باب کے ذیلی عنوانات ہیں۔آزاؔد کی یہ کتاب اقباؔل کے متعلق سوانحی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی تعریف ڈاکٹر راج بہادر گوڑ اس طرح کرتے ہیں:

> ''اقبال پر تو آپ ہندوپاکستان کے معدودے چند چوٹی کے ماہرین میں شمار ہوتے ہیں اور مبالغہ نہیں حقیقت ہے کہ آپ حافظ کلامِ اقبال سمجھے جاتے ہیں۔اس کتاب میں جگن ناتھ آزاؔد نے اقبال کی زندگی کے بعض ایسے گوشوں پر سے پردہ اٹھایا ہے جو اقبال کے عام اور اوسط طالب علم کے علم میں نہیں تھے اور یہ کچھ ایسے عوامل ہیں، اقباؔل کی انسان مفکر اور شاعر کی حیثیت سے تشکیل و تعمیر پر اثر انداز ہوتے ہیں۔''(۲۵)

یہ کتاب تحقیقی انداز میں تحریر نہیں کی گئی ، بلکہ عام قارئین کے لیے لکھی گئی ہے۔

آزاؔد کے اقبالیاتی سرمائے میں چند ایسی تصانیف ہیں،جنھیں متفرقات میں شمار کرنا چاہیے۔مثلاً ''اقبال کی کہانی''بچوں کے لیے ایک چھوٹی سی کتاب ہے ، جسے ترقی اردو بورڈ وزارت تعلیم حکومت ہند کی فرمائش پر تحریر کیا گیا۔اس کتاب کے دو حصے ہیں ۔ایک حصہ اقبال کی زندگی اور شخصیت پر مشتمل ہے اور دوسرے حصے میں علامہ کے کلام کا انتخاب شامل ہے۔۱۹۷۹ء میں اس کتاب کو بہار اردو اکیڈمی پٹنہ نے ایوارڈ سے نوازا۔(۲۶)

آزاؔد نے ننھے منے بچوں کے لیے ایک مختصر کتاب ''بچوں کا اقبال'' تحریر کی۔ یہ ۱۹۷۷ء کو شائع ہوئی۔اس کے آغاز میں اقباؔل کی زندگی اور شخصیت مختصر بیان کی گئی ہے۔اس میں کچھ نظمیں ''روزگارِ فقیر'' سے اخذ کی گئی ہیں۔''مرقع اقبال'' بھی آزاؔد کی ایک مفید کتاب ہے۔اس میں اقباؔل ، ان کے اہلِ خانہ اوراساتذہ کی تصاویر، اسناد ،خطوط اور تصانیف کے سرِ ورق کے عکوس اور بعض دیگر متفرقات شامل ہیں۔ان میں سے اکثر تصاویر اور تحریریں روزناموں ، ہفتہ وار اخباروں ، ماہناموں اور کتابوں سے حاصل کی گئی ہیں۔کچھ عزیزوں اور دوستوں سے بھی مواد حاصل کیا۔البم کی ابتدا میں اقباؔل کا شجرہءنسب دیا گیا ہے۔ڈاکٹر جاوید اقبال کی تصنیف ''زندہ رود''میں جو شجرہءنسب دیا ہے،اس کا آغاز بابا لول حج سے ہوا ہے، جب کہ آزاؔد نے بابا لول حج سے ایک پشت قبل بابا صالح سے آغاز کیا ہے ۔آزاؔد کو جن شخصیات کی جائے سکونت ، تاریخ ولادت وغیرہ کا پتا چل سکا ہے ، وہ بھی ساتھ درج ہیں۔ جاوید اقبال کے پیش کردہ شجرہءنسب میں ایسا نہیں ۔انھوں نے صرف شخصیات کے نام لکھنے پر اکتفا کیا ہے ۔توقیتِ اقبال بھی دی گئی ہے۔آزاؔد نے اپنے دوروں سے بھی چند نایاب تصاویر حاصل کر کے اس البم کی زینت بنائیں ۔اس البم کو دیکھ کر آزاؔد کی عمیق تحقیق اور جستجو کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

آزاؔد کی تالیف ''فکرِ اقبال کے بعض اہم پہلو''میں مختلف اہل قلم کے مضامین اور آزاؔد اور علی سردار جعفری سے لیے ہوئے انٹرویو شامل ہیں۔ اس کے دیباچے کی اہمیت یہ ہے کہ اس سے ہمیں ہندوستان میں ہونے والی اقبالیاتی سرگرمیوں سے آگاہی ملتی ہے۔اور یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہاں قافلہ اقبالیات کن کٹھن مراحل سے گزر کر کس رفتار سے آگے بڑھ رہا ہے۔اس میں یہ بھی بتایا کہ اقبال صدی تقاریب کمیٹی نے اقباؔل پر ایک فلم تیار کرائی اور ایک اقبال نمائش کا بھی اہتمام کیا گیا۔حکومتِ جموں وکشمیر نے کشمیر یونی ورسٹی میں اقبال چیئر قائم کی ، جو دنیا بھر کی یونی

ورسٹیوں میں پہلی اقبال چیئر ہے۔ (۲۷) آزادؔ کے خیال میں اقبالیات کے فروغ میں بھارت اور پاکستان کی مشترکہ کاوشیں شامل ہیں۔اس کتاب کو اقبالیاتی تحقیق میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔

آزادؔ ،علامہ کی شخصی اور شاعرانہ عظمت سے اتنا متاثر تھے ، کہ جب وہ یورپ گئے تو انھوں نے وہ تمام مقامات دیکھے، جہاں جہاں اقبال گئے تھے،مثلاً ہائیڈل برگ ،میونخ ، دریائے نیکر ،قرطبہ،مسجدِ قرطبہ،غرناطہ وغیرہ۔ آزادؔ کہتے ہیں،کہ ان مقامات کو دیکھ کر میری نگاہ میں اقبالؔ کی شاعرانہ عظمت اور بڑھ گئی ہے۔ (۲۸)ان کا اقبالؔ سے خاص تعلقِ خاطر تھا۔ بقول آزادؔ :

> ''میرے نزدیک اقبال اردو شعرا میں سب سے زیادہ قد آور شاعر ہے ، جو مسلمہ طور پر ایک بڑا شاعر ہے۔اقبال ہی اردو کا وہ واحد شاعر ہے ، جو اپنے قاری کے وجدان کو اسی طرح متاثر کرتا ہے جس طرح شیکسپیئر،ملٹن، دانتے،فردوسی، یا تلسی داس ۔ جہاں تک اردو شعرا کا تعلق ہے، اس ضمن میں اقبال کے سوا دوسرا نام نظر نہیں آتا۔''(۲۹)

اقبالؔ دنیا کے غموں اور دکھوں میں قاری کے دل میں رجائیت کی شمع روشن کرتے ہیں، اور روشن مستقبل کی نوید سناتے ہیں۔آزادؔ کا کلام بھی اسی رجحان کا آئینہ دار ہے۔اس کے باوجود آزاد کی اپنی انفرادیت بھی نمایاں ہے۔ بقول آزادؔ :

> ''علامہ اقبال کا کلام ایک بحرِ بیکراں ہے،جس کی وسعت اور گہرائی کا اندازہ ممکن نہیں۔ایک تو کلامِ اقبال کا سمندر پھر اس میں تصوف کی موجیں ۔ مجھے اس بحرِ معانی کے ساحل پہ پہنچ کر ہر لمحہ اپنی بے مایگی کا احساس رہا۔اس پانی میں غواصی کے لیے جو عزم وہمت درکار ہے ، مجھ ایسے نو آموز کا دامنِ دل اس سے خالی ہے۔ ہاں اس بحرِ مواج کے ساحل پہ بیٹھ کر میں نے جو خذف چینی کی ہے۔اسے بڑے خلوص سے بطور ارمغاں سامعین کی خدمت میں پیش کر دیا۔''(۳۰)

جگن ناتھ آزادؔ کا نام بھارت کے اقبال شناسوں میں سرِ فہرست ہے۔اس کا اندازہ ان کی عالم گیر شہرت سے لگایا جا سکتا ہے۔انھوں نے مختلف حوالوں سے اقبالؔ پر کام کیا ہے۔ایک تو تصانیف کے حوالے سے ،دوسرے اقبالیات پر تنقیدی مقالات اور مضامین سے،تیسرے فروغِ اقبالیات کے لیے عملی اقدامات مثلاً اقبال نمائش کا انعقاد ،متعدد اقبال اکیڈمیوں کی رکنیت اور مشاعروں ، ریڈیو، ٹیلی ویژن، کے پروگراموں میں شرکت کے علاوہ عالمی ادبی اداروں کے زیرِ اہتمام اور دنیا کی متعدد یونی ورسٹیوں میں اقبال پر لیکچر وغیرہ

آزادؔ نے اقبالؔ پر جتنی کتابیں تصنیف کیں ، وہ سب اپنے اپنے موضوع کے اعتبار سے بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔خاص طور پر ان کی کتاب ''اقبال اور مغربی مفکرین'' بڑی امتیازی حیثیت رکھتی ہے ۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر سرِ فہرست ہے۔اس سے پہلے اس موضوع پر متفرق مضامین تو لکھے گئے ،لیکن اس طرح مجموعی حیثیت سے کتابی صورت میں نہیں لکھا گیا ۔انگریزی میں اس موضوع پر تو لکھا گیا ہے ۔اردو میں یہ کتاب اپنی نوعیت کے اعتبار سے

اہمیت کی حامل ہے۔

''اقبال اور کشمیر'' بھی اپنے موضوع پر خاص اہمیت رکھتی ہے۔ آزاد کے بارے میں غلام رسول رنیزد لکھتے ہیں:

> ''علامہ مرحوم ایک ہی بار کشمیر آئے یا ایک سے زیادہ بار؟ یہ ایک چھوٹا سا نقطہ لے کر آزاد جگہ جگہ گھومے۔ کشمیر میں اس وقت کے کئی معززین سے ملے۔ ان کے بیانات کا تجزیہ کیا اور نتیجہ اخذ کیا کہ علامہ اقبال ایک ہی بار کشمیر آئے تھے۔ ایک سے زائد بار نہیں۔ بہر حال اقبالیات کی تحقیق کے سلسلے میں آزاد کا لگاؤ وارفتگی کی حد تک ہے۔''(۳۱)

پروفیسر جگن ناتھ آزاد ایسے ماہرِ اقبالیات ہیں، جنھوں نے اقبال کا کلام صرف پڑھا ہی نہیں بلکہ اسے حفظ بھی کیا۔ لوگ آپ کو ''حافظِ اقبال'' کہتے ہیں۔ آپ کو کلامِ اقبال اردو ہو یا فارسی اس طرح از بر تھا کہ جیسے وہ ان کے اپنے اشعار ہوں۔ شاعر اپنا کلام بھی اس طرح از بر نہیں کرتے، جس طرح کہ آزاد کو یاد تھا۔ وہ اقبال کو اپنا روحانی رہنما بھی تصور کرتے تھے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اگر پاکستان میں جاوید اقبال موجود ہیں تو ہند میں جگن ناتھ آزاد ہیں۔ جو اقبال کے ساتھ ایسی عقیدت رکھتے ہیں۔ جیسے کہ ایک بیٹے کو اپنے باپ کے ساتھ ہو۔(۳۲) رشید حسن خان لکھتے ہیں:

> ''۱۹۴۷ء کے بعد اقبال کو پاکستانی شاعر مان لیا گیا تھا۔ انھیں فاشسٹ تو خیر ترقی پسند حضرات پہلے ہی کہہ چکے تھے۔ اب وہ بانی پاکستان بھی قرار دے دیے گئے، اور اسلامی شاعر بھی مان لیے گئے۔ ان حالات میں ہندوستان میں اچھے اچھے آزاد خیال ادیبوں نے احتیاط کی نقابیں منہ پر ڈال لیں، اور عملی طور پر یہ ہو گیا کہ اقبال کا نام لینا بھی احتیاط کے تقاضوں کا پابند ہو گیا۔ ایسے عافیت آشوب حالات میں دو شخص ایسے ضرور تھے، جو علی الاعلان اقبال کو بڑا شاعر مانتے تھے اور ان پر جو الزامات لگائے جاتے تھے ان کا انکار کرتے تھے۔ سرور صاحب اور آزاد صاحب ۔۔۔آزاد نے ہر زمانے میں ہر طرح کی مصلحت سے بے نیاز ہو کر صحیح بات کہی۔ اقبال کی شاعری پر ادبی لحاظ سے اسی ذوق وشوق سے گفتگو کرتے رہے، جس طرح ایک آزاد خیال ادیب کو کرنا چاہیے۔''(۳۳)

مسلمانوں نے اقبال کو ایک اسلامی مفکر اور مفکرِ پاکستان کی حیثیت سے پیش کیا، جس کی وجہ سے دوسری قوموں اور خاص طور پر ہندوؤں نے علامہ کو مسلمانوں کا نمائندہ سمجھ کر انھیں اپنا حریف سمجھا۔ ہندوستان میں ایک غلط فہمی تو یہ پیدا ہوئی کہ وہ اقبال کو نظریہ پاکستان کا حامی سمجھنے لگے۔ اسی نظریے کے تحت ہندوستان دو حصوں میں تقسیم ہوا۔ یہی وجہ تھی کہ تقسیمِ ہند کے بعد بھارت میں اقبال سے مسلسل غفلت برتی گئی۔ اس وقت ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی، جو دونوں ممالک کے درمیان پیار محبت کے رشتے کو جوڑ سکے۔ یہ کام بڑی حد تک آزاد نے کیا۔ انھوں نے اقبال کو حوالہ بنایا اور ہندوستان میں اپنی کاوشوں سے اقبال کو فروغ دینا شروع کیا، اور ہندوستانی قوم کے

ذہنوں سے شاعرِ مشرق کے خلاف تعصب کو ختم کرنے کی کوشش کی ۔ آزآد کی عظمت یہ ہے کہ وہ ایک ایسے ادیب تھے، جو ادب کے تقاضوں کو مدِ نظر رکھتے تھے۔ وہ غیر متعصب اور وسیع النظر انسان تھے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر حامد اللہ ندوی کہتے ہیں:

> ''تقسیمِ ہند نے ہندوستانی عوام کے دل ودماغ پر جو تلخ اثرات چھوڑے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں اقبآل کا نام لینا بھی کسی جرم سے کم نہیں تھا۔ ۔۔ ہندوستان کے کروڑوں باسیوں میں جس ادیب نے پہلی بار اس غلط فہمی کے خلاف آواز اٹھانے کی جرأت کی وہ صرف جگن ناتھ آزاد تھے۔ آزآد ساری مخالف ہواؤں کے باوجود اقبآل کے دفاع میں سینہ سپر ہو گئے۔ ہندوستانی عوام کے سامنے اقبآل کی صحیح تصویر پیش کرنے کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا۔'' (۳۴)

اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے کہ اقبآل صرف مسلمانوں کے شاعر ہیں۔ آزاد کہتے ہیں:

> ''معلوم نہیں بعض غیر ملکی طالب علمانِ اقبال کے دل میں یہ بات کیوں گھر کر گئی کہ اقبآل کی شاعری ہندو اور مسلمان کے دائروں میں محصور ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کا سبب اقبآل پر وہ بیسیوں کتابیں ہوں، جن میں اقبآل کو ایک بہت ہی محدود انداز میں پیش کیا گیا ۔۔۔ اقبال کو اس طرح محدود کر دینے سے اقبآل اور اسلام دونوں کے ساتھ انصاف نہیں ہو سکے گا۔'' (۳۵)

آزآد ایک محبِ وطن شہری تھے۔ انھیں کسی سیاسی پارٹی سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اقبالیات سے ان کی وابستگی کی وجہ ان کی اقبآل سے دلی محبت تھی۔ وہ اقبآل پر لگائے ہوئے جھوٹے الزامات کو دور کرنا چاہتے تھے۔ ان کے نزدیک اقبآل ''جلوۂ ہزار رنگ کا مرقع'' تھے۔ جس کو تلاش کرنے کے لیے بھی ایسی ہی شخصیت کی ضرورت تھی، جیسی کہ آزآد کی تھی ۔ نامور محقق اور نقاد ڈاکٹر وحید قریشی کہتے ہیں:

> ''اقبال شناسی میں آزآد کلامِ اقبال کے شیدائیوں میں سے ہیں۔ اور اس محبت کے زور پر انھوں نے بھارت میں مطالعہ ء اقبال کا احیا کیا۔ ایک زمانہ تھا کہ اقبآل کا نام لینا ہندوستان میں جرم سمجھا جاتا تھا۔ خصوصاً مسلمانوں کے لیے اقبآل کا ذکر شجرِ ممنوع بن چکا تھا۔ آزآد نے کچھ اس طرح اقبآل کے نام کا ڈنکا ہندوستان میں بجایا کہ بھارت میں اقبآل کی قدر شناسی کا نیا دور شروع ہوا۔ اس تگ و دو میں کچھ ہلکی پھلکی کتابیں بھی ان کے قلم سے نکلیں، لیکن جیسے جیسے مطالعے میں وسعت پیدا ہوئی۔ ان کی تحریروں میں گہرائی پیدا ہوتی چلی گئی۔ جموں یونی ورسٹی میں پروفیسری کے زمانے میں انھوں نے مطالعہ اقبال پر بہت وقت صرف کیا۔ اور آج ان کی تحریریں اقبالیات میں اہم مقام رکھتی ہیں۔'' (۳۶)

آزآد کو اقبالیات پر کام کرتے ہوئے بہت سی مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑا، لیکن انھوں نے ڈٹ کر حالات کا مقابلہ بڑی بہادری سے کیا۔ آزآد نے اپنی تحریروں میں زیادہ تر ''شاعرِ اقبال'' پر زور دیا ہے، کیونکہ آزآد کے نزدیک اکثر ناقدین نے اقبآل کو بطور فلسفی اور مفکر کے تو خوب سراہا بھی ہے، اور ان پر کام بھی بہت کیا ہے، لیکن جو

ان کی اصل حیثیت ہے ۔جس کی وجہ سے انھیں شہرت ملی ۔اسے نظر انداز کیا جاتا ہے ۔اگر وہ شاعر نہ ہوتے تو اپنے خیالات کو اتنے موثر انداز سے پیش نہ کر سکتے ، جتنا کہ انھوں نے اپنی شاعری کے ذریعے کیا۔ بقول آزاد:

> ''ہمیں اپنے اپنے چوکھٹے میں اقبالؔ کو فٹ کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے، بلکہ ان کی پوری فکر کا مطالعہ کر کے اس کے مطابق چوکھٹا' بنانا چاہیے۔''(۳۷)

آزاد کے نزدیک اقبالؔ کا فکر اور فن دونوں ایک ہی شے ہیں۔انھیں الگ نہیں کیا جا سکتا ۔ان کی زندگی ایک شاعر کی زندگی تھی اور شخصیت ایک روشنی کا مینار تھی ۔جس نے دنیا کو منور کیا۔بعض نقاد علامہ کو نیشنلزم کا حامی سمجھتے ہیں، کیونکہ ان کے اولین دور کی شاعری میں حب الوطنی کا جذبہ خاصا نمایاں ہے ،لیکن آزاد کے نزدیک اقبالؔ کو نیشنلزم(Nationalism) کا حامی سمجھنا اقبالؔ کے ساتھ نا انصافی ہو گی، کیونکہ حب الوطنی اورنیشنلزم(Nationalism) میں بڑا فرق ہے۔آزاد نے فکرِ اقبال کے وہ پہلوا جاگر کیے، جن میں اقبالؔ تمام انسانیت اور بالخصوص استعمار کے چنگل میں گرفتار انسانیت کے لیے ایک پیامبر اور بیدار کرنے والا شاعر نظر آتا ہے، جو بہت وسیع القلب تھا ۔جس نے وطن اور مختلف مذاہب کے اوتاروں اور پیغمبروں کی شان میں نظمیں تحریر کیں۔مثلاً رام چندر جی ، گرو نانک، بھرتری ہری، سوامی رام تیرتھ وغیرہ۔بعض نقاد اقبالؔ کو سیاست دان یا اسلامی نظریاتی فلسفی کہتے ہیں۔آزاد ایسی انتہا پسندانہ آرا کو پسند نہیں کرتے ۔ان کے نزدیک علامہ کو صرف سیاست دان یا اسلامی نظریاتی فلسفی کہنا اقبالؔ کے ساتھ نا انصافی ہوگی ۔اس مسئلے پر آزاد نے اپنے مضمون ''اقبال صرف مسلمانوں کا شاعر''میں تفصیلی بحث کی ہے ،جس میں انھوں نے بتایا ہے، کہ اس طرح کی انتہا پسندانہ آرا اس لیے پیدا ہوتی ہیں کہ اقبالؔ کے اکثر نقاد علامہ کی شاعری کو ان کے پورے سیاق وسباق میں نہیں دیکھتے۔اس لیے علامہ کے افکار اور نظریات کا تفصیلی مطالعہ کرنا چاہیے۔اس مضمون کے آخر میں آزاد لکھتے ہے:

> ''اقبال مسلمانوں کے شاعر بھی ہیں، ایشیا کی بیداری کے شاعر بھی ہیں اور عالمِ انسانیت کے شاعر بھی ہیں۔''(۳۸)

آزاد ایک وسیع المطالعہ شخص تھے۔انھوں نے اپنی تحریروں کے ذریعے اقبالؔ پر جو تنقیدی کام کیا ہے، اس میں بڑے متوازن انداز میں علامہ پر بحث کی گئی ہے۔انتہا پسندانہ یا متعصّبانہ رویہ اختیار نہیں کیا، حالانکہ بھارت میں اقبالؔ کے بارے میں بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہوتی رہی ہیں۔اس لحاظ سے آزاد کی اہمیت نمایاں ہو جاتی ہے۔

آزاد نے اقبالیات کے حوالے سے اردو میں بچوں کے لیے بھی چند کتابیں مرتب کی ہیں۔جن میں اقبالؔ کی حیات اور کلام سے بحث کی گئی ہے۔ان کتب میں بچوں کی ذہنیت اور دلچسپی کا خاص خیال رکھا گیا ہے، تاکہ وہ اقبالؔ کو اچھی طرح سمجھ سکیں اور ان میں مزید پڑھنے کا شوق پیدا ہو۔

تصانیف کے علاوہ آزاد کے اقبالؔ پر بہت سے مضامین بھی ہیں،جن میں سے بیشتر غیر مدون ہیں۔ان کے ذریعے بھی انھوں نے اپنے مؤقف کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔انھوں نے دیگر اقبال شناسوں کے کام کو بھی سراہا ہے۔اور یہ بھی بتایا کہ انھوں نے اقبالؔ کو کس حیثیت سے زیادہ سراہا ہے اور کس لحاظ سے نظر انداز کیا ہے!

آزادؔ کے ان مضامین میں ''اقبال صرف مسلمانوں کا شاعر''، ''اقبال اور حسرت''، ''اقبال اور جوش''، ''اقبال اور اس کی شاعری'' وغیرہ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں ۔تحقیقی وتنقیدی مضامین کے علاوہ انھوں نے توسیعی لیکچروں کے ذریعے بھی اقبالؔ کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ ان کی شہرت صرف اپنے ملک تک ہی محدود نہیں رہی ، بلکہ اس سلسلے میں انھوں نے بار ہا امریکہ، کینڈا، روس، برطانیہ، جرمنی، متحدہ عرب امارات، ناروے، اسپین، اور پاکستان جیسے ممالک کے دورے کیے اور وہاں لیکچر دیے، جو اقبالیات میں ایک بیش بہا اضافہ ہیں۔

۱۹۷۳ء میں اقبالؔ کی صد سالہ تقریبات میں جہاں دیگر اقبال شناسوں نے اپنے اپنے طور پر حصہ لیا، وہاں آزادؔ جیسے محبِ اقبال کیسے پیچھے رہ سکتے تھے۔ چنانچہ آزادؔ نے سری نگر میں ایک ''اقبال نمائش'' کا اہتمام کیا۔ اس نمائش پر انھوں نے بڑی محنت کی۔ اس نمائش کو پورے ہندوستان میں بڑا سراہا گیا۔ یہ نمائش بھارت کے دیگر شہروں میں بھی منعقد کی گئی۔ بھارت کے بعض حلقوں میں اس سلسلے میں بڑی کڑی نکتہ چینی بھی کی کہ آپ ہندوستان کے ایک دشمن کی یاد میں نمائش کا انتظام کر رہے ہیں۔ ایک صاحب نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ اگر اس وقت ہندوستان میں کوئی صحیح قسم کی جمہوری حکومت ہوتی تو آپ اس وقت جیل خانے میں ہوتے۔ ایک اور نے کہا کہ آپ کا نام ملک کے غداروں کی فہرست میں لکھا جائے۔لیکن اس کے باوجود یہ نمائش منعقد کی گئی اور تقریباً پندرہ لاکھ لوگوں نے اس نمائش کو دیکھا۔(۳۹) اس بارے میں محمد یوسف ٹینگ لکھتے ہیں:

''برصغیر ہندو پاکستان میں یہ اقبالیات کے اس خاص پہلو پر اپنی نوعیت کی پہلی کوشش ہے۔''(۴۰)

ہندوستان نے اتنے عرصے تک اقبالؔ کو پسِ پشت ڈالے رکھا، لیکن اس کا ازالہ بڑے اچھے انداز میں اقبال صدی کی تقریبات کی صورت میں کیا۔ خاص طور پر اقبال نمائش کے ذریعے نئی نسل کو اقبالؔ سے روشناس کرانے کی کوشش کی گئی۔ اس نمائش سے ہندوستان میں اقبالیات کے فروغ کے لیے راہ ہموار ہوئی۔ آزادؔ نے اقبالیات کے فروغ کے لیے کشمیر یونی ورسٹی میں ''اقبال چیئر'' (Iqbal Chair) قائم کرنے کے لیے تگ و دو کی۔ اس سلسلے میں انھوں نے کشمیر کے وزیر اعلیٰ شیخ عبداللہ کو خط لکھا اور ان سے ملاقاتیں کیں، جن میں ان کے سامنے کشمیر یونی ورسٹی میں ''اقبال چیئر'' قائم کرنے کی تجویز پیش کی گئی ، جسے انھوں نے منظور کر لیا۔ آزادؔ کی کاوشیں بار آور ثابت ہوئیں اور ہندوستان میں پہلی بار کشمیر یونی ورسٹی میں ''اقبال چیئر'' کا قیام عمل میں آیا۔ بعد میں یہ ''اقبال چیئر'' اقبال انسٹی ٹیوٹ (Iqbal Institute) میں تبدیل ہوگئی، اور آلِ احمد سرور اس کے ناظم مقرر ہوئے۔ اس انسٹی ٹیوٹ نے اقبالیات کے اہم موضوعات پر مذاکرے کرائے۔ توسیعی لیکچروں کے لیے ہندوستان کے نامور علما و ناقدین کو مدعو کیا گیا۔ یہاں سے بہت سی اہم کتب بھی شائع ہوئیں۔ ہندوستان میں اقبالیات کے فروغ کے لیے اس انسٹی ٹیوٹ نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ اس ادارے کے قیام کا سہرا جگن ناتھ آزادؔ اور شمیم احمد شمیم کے سر ہے، کیونکہ اس کا اولین تخیل ان دونوں شخصیات کے ذہنوں کی پیداوار تھا۔ آزادؔ نے اپنے اس دوست کی کاوشوں کو ہمیشہ خراجِ تحسین پیش کیا۔ آزادؔ آخری دم تک اس انسٹی ٹیوٹ کے ساتھ کسی نہ کسی طرح وابستہ رہ کر اس کی سرگرمیوں میں

حصہ لیتے رہے۔(۴۱)

۱۹۷۷ء میں جشنِ صد سالہ ولادت اقبال کے سلسلے میں لاہور اور سیالکوٹ میں پہلی اقبال عالمی کانگرس منعقد ہوئی۔ لاہور میں افتتاحی اجلاس اور اکیڈیمک سیشنز منعقد ہوئے اور سیالکوٹ میں اختتامی اجلاس ہوئے۔ کانگرس میں شرکت کے لیے مختلف ملکوں سے ایک سو اسّی (۱۸۰) مندوبین شریک ہوئے۔آزاد اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ افتتاحی اکیڈیمک سیشن کے لیے سیمینار کمیٹی نے پانچ مندوبین کے مقالات منتخب کیے۔ ان پانچ مقالات میں ایک مقالہ (Iqbal: His Art and Thoughts) اس خاکسار کا تھا۔ میں تو اس انتخاب کو بھی ایک اعزاز سمجھتا ہوں ۔ پھر سیالکوٹ میں جب مندوبین اور حاضرین پر مشتمل ایک جلوس قلعے سے علامہ اقبال کے جدی مکان کو روانہ ہونے لگا تو اقبال انٹرنیشنل کانگرس کی مجلسِ انتظامیہ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس جلوس کی رہنمائی یہ خاکسار کرے گا ۔اس وقت حاضرین اور مندوبین میں میرے دو اساتذہ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم (مرحوم) اور ڈاکٹر سید عبداللہ (مرحوم) بھی موجود تھے ۔ میرے لیے یہ بات بڑی الجھن کا باعث تھی کہ میرے دو اساتذہ جن کے قدموں میں بیٹھ کر میں نے بات کرنے کا طریقہ سیکھا میرے پیچھے پیچھے چلیں اور جلوس کی قیادت میں کروں ۔ چنانچہ میں معذرت خواہ ہوا۔ منتظمین صوفی صاحب کے پاس گئے کہ ہماری کمیٹی کا تو متفقہ فیصلہ یہی ہے کہ جگن ناتھ آزاد اس جلوس کی رہنمائی کریں لیکن انھیں یہ فیصلہ قبول کرنے میں تامل ہے ۔صوفی صاحب میرے پاس تشریف لائے اور قدرے سختی کے ساتھ مجھ سے پوچھا ۔کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جناب میں جلوس کی رہنمائی کروں اور آپ اور سید صاحب میرے پیچھے پیچھے چلیں ۔ یہ بات میرے لیے بڑی معیوب ہے ۔اس لیے میں نے معذرت پیش کر دی ۔صوفی صاحب فرمانے لگے ۔جگن ناتھ میرے لیے اور ڈاکٹر سید عبداللہ کے لیے اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ ہمارا ایک طالب ایک سو اسّی ملکوں سے آئے ہوئے مندوبین کے جلوس کی قیادت کر رہا ہے۔ اور پھر قدرے غصے کے عالم میں بولے اٹھو اور جلوس کی رہنمائی کرو۔ چنانچہ میں نے تعمیل ارشاد کی(۴۲)

اقبال کے شعروں پر آزاد کی تضمینات جہاں ایک طرف ان کے کمالِ فن کی غماز ہیں کہ انھوں نے اقبال جیسے عظیم شاعر کے اشعار کی روح کو اپنے شعری آہنگ میں اس طرح جذب کر لیا ہے کہ بقول منظر اعظمی :

> ''آزاد کے شعر اقبال کے شعر اور اقبال کے آزاد کے شعر معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے شعری لب و لہجے کی بھی گواہی دیتی ہے کہ وہ کس مکتبۂ فکر سے زیادہ قریب ہیں۔''(۴۳)

اقبال کی تاریخ پیدائش ، اقبال کے اسلاف، اقبال کی زندگی کے دوسرے پہلوؤں خصوصاً اقبال عالمِ انسانیت کے شاعر کی حیثیت سے جیسے اہم موضوعات پر انھوں نے جو تحقیقی وتنقیدی کام کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس طرح کے کاموں نے انھیں ایک اہم مقام دلایا۔ آزاد کا اقبالیات کا مطالعہ بہت وسیع اور عمیق تھا۔ اقبالیات کا کوئی ایسا گوشہ نہیں جو آزاد کے زیرِ مطالعہ نہ آیا ہو۔ آزاد ایک ماہرِ اقبال کی حیثیت سے بین الاقوامی سطح پر اپنی ایک شناخت رکھتے ہیں ۔ یہ خدمات کوئی معمولی نہیں۔ بقول رؤف خیر (حیدر آباد دکن):

> ''جگن ناتھ آزاد کو سلام کرنے کو جی چاہتا ہے، جنھیں نہ صرف علامہ اقبال کا تقریباً کلام حفظ تھا

بلکہ وہ اقبال کے حوالے سے پہچانے جانے پر نازاں بھی تھے۔ ایسے وقت جب کہ ہندوستان میں اقبال کا نام لینا بھی جرم کے مماثل تھا جگن ناتھ آزاد نے سرکاری سطح پر علامہ کی شاعرانہ حیثیت کا احساس کروایا 'سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا' کوترانے کا درجہ دلایا جو آج بھی برقرار ہے۔ بذاتِ خود وہ جیسے بھی شاعر رہے ہوں علامہ اقبال جیسے برگد کے زیرِ سایہ سانس لینے ہی میں زندگی سمجھتے تھے۔'' (۴۴)

آزاد کی شخصیت پر علامہ کا اثر بہت نمایاں ہے۔ ان کی گفتگو اقبالؔ کے ذکر سے خالی نہیں ہوتی تھی۔ وہ بات کرتے ہیں تو اس میں کسی نہ کسی طرح اقبالؔ کا حوالہ ضرور لے آتے ہیں۔ بقول رام لعل:

''بعض لوگوں کے نزدیک ان کی کمزوری اقبالؔ ہیں کیونکہ ان کے ساتھ گفتگو کرنے والا اقبالؔ کے ذکر کو کتنا ہی بچانے کی کوشش کرے لیکن آزاد گھیر گھار کر اپنی بات کی تان اقبالؔ پر ہی لے آ کر توڑتے ہیں۔'' (۴۵)

الغرض آزادؔ نے اپنی تصنیفات، تالیفات، خطبات، لیکچروں، مراسلوں، بیرونی ممالک میں دوروں اور تقاریر کے ذریعے اقبالؔ کو عام کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، جس میں وہ کافی حد تک کامیاب رہے۔ تقسیم کے بعد ہندوستان کے مخالفانہ ماحول کے باوجود آزادؔ نے اقبالؔ سے اپنی وابستگی کو کم نہیں ہونے دیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اقبال مخالفت کم ہوتی گئی حتیٰ کہ ۱۹۷۳ء میں ہندوستان میں اقبال صدی تقاریب منانے کا فیصلہ کیا گیا۔ ان تقاریب کو کامیاب بنانے میں آزادؔ پیش پیش تھے۔ آنے والی نسلیں ان کے کام کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی رہیں گی اور اس سے مستفید ہوں گی۔ ان کا کام اپنے موضوع پر ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ آزادؔ نے اپنی اقبال شناسی کے ذریعے عالمی سطح پر شہرت حاصل کی۔

حوالہ جات:

۱۔ ایوب صابر،''کیا پاکستان کے پہلے ترانے کے خالق جگن ناتھ آزاد تھے؟''(مضمون)مشمولہ **جگن ناتھ آزادحیات اور ادبی خدمات**، (جلداول)، مرتب، خلیق انجم، (نئی دہلی: محروم میموریل لٹریری سوسائٹی، ۱۹۹۳ء)، ص ۴۷

۲۔ یاسمین کوثر، **جگن ناتھ آزادبطور اقبال شناس**، (جموں توی: اردو فورم ایور گرین کمپوزرز اینڈ پبلشرز، ۲۰۰۰ء)ص ۴۷

۳۔ روز نامہ **نوائے وقت**، (لاہور: ۲۲نومبر ۱۹۸۳ء)

۴۔ یاسمین کوثر، **جگن ناتھ آزاد بطور اقبال شناس**، ص ۷۵

۵۔ روز نامہ **نوائے وقت**، (لاہور: ۲۲ نومبر ۱۹۸۳ء)

۶۔ واقف، محمد ایوب، مؤلف، **جگن ناتھ آزاد ایك مطالعه**، (نئی دہلی: مونومینٹل پبلشرز، ۱۹۸۸ء)ص ۳۱۷

۷۔ ''جگن ناتھ آزاد کا دورہ برطانیہ وجرمنی''(روداد کی رپورٹ)مشمولہ **جگن ناتھ آزاد حیات اور ادبی خدمات**

مرتبہ خلیق انجم،ص۲۵۴

۸۔ ضیاء الدین،ڈاکٹر،''جگن ناتھ آزاد سے تین ملاقاتیں''(انٹرویو) مشمولہ **ارمغانِ آزاد**، مرتب ڈاکٹرظہورالدین(نئی دہلی:محروم میموریل لٹریری سوسائٹی،۱۹۹۳ء)ص۲۷۸۔۲۷۹

۹۔ ایضاً

۱۰۔ یاسمین کوثر، **جگن ناتھ آزاد بطور اقبال شناس**،ص۸۷

۱۱۔ حنین جاوید،''جگن ناتھ آزاد۔ایم ۔اے ۔او کالج میں''(انٹرویو)مشمولہ **جگن ناتھ آزاد حیات اور ادبی خدمات**،مرتب،خلیق انجم،ص۲۲۹۔۲۳۰

۱۲۔ او۔این ۔کول''اقبال نمائش''(مضمون) مشمولہ **ارمغانِ آزاد**،مرتب،ڈاکٹرظہورالدین،ص۱۸۰

۱۳۔ خلیق انجم،مرتب **جگن ناتھ آزاد حیات اور ادبی خدمات**،ص۱۷۹

۱۴۔ سہ ماہی **لمحے لمحے**، (بدایون:جولائی ۱۹۸۶ء)ص۵۹۲

۱۵۔ آزاد،جگن ناتھ، **اقبال اور اس کا عہد**،(لاہور:ادارہ قوسین، ۱۹۷۷ء)فلیپ

۱۶۔ یاسمین کوثر، **جگن ناتھ آزاد بطور اقبال شناس**،ص۱۳۱

۱۷۔ سہ ماہی **لمحے لمحے**،ص۳۷۶

۱۸۔ یاسمین کوثر، **جگن ناتھ آزاد بطور اقبال شناس**،ص۱۴۶

۱۹۔ سہ ماہی **لمحے لمحے**،ص۶۰

۲۰۔ Daily *Excelsior* Jammu (جموں:یکم فروری ۱۹۸۷ء)،ص۳

۲۱۔ **اقبال ریویو**، (لاہور:جنوری ۱۹۸۴ء)،ص۲۶۸

۲۲۔ انور سدید، ڈاکٹر، **نئے جائزے**، (لاہور:مغربی پاکستان اردو اکیڈمی)،ص۲۱۸

۲۳۔ Daily *Excelsior* Jammu (جموں: یکم فروری ۱۹۸۷ء)،ص۳

۲۴۔ ایضاً

۲۵۔ ماہنامہ **العطش**، (جموں:جنوری ۱۹۸۶ء)،ص۶۸

۲۶۔ ایضاً ص۱۷

۲۷۔ آزاد،جگن ناتھ،مؤلف، **فکرِ اقبال کے بعض اہم پہلو**، (سری نگر:شیخ غلام محمد اینڈ سنز،۱۹۸۲ء) دیباچہ

۲۸۔ یاسمین کوثر، **جگن ناتھ آزاد سے ایک تحریری انٹرویو**، (جموں کشمیر:ستمبر ۱۹۸۹ء) ص۳۷

۲۹۔ آزاد،جگن ناتھ، **نشانِ منزل**، نئی دہلی:ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، جون ۱۹۸۲ء) ص۱۷۴۔۱۷۵

۳۰۔ آزاد،جگن ناتھ، **اقبال اور اس کا عہد**،ص۹۱

۳۱۔ ظہورالدین اظہر،ڈاکٹر،مرتب، **ارمغانِ آزاد**،ص۱۴۴

۳۲۔ ایضاً ص۱۴۵

۳۳۔ خلیق انجم،مرتب، **جگن ناتھ آزاد حیات اور ادبی خدمات**،ص۲۰۲

۳۴۔ سہ ماہی **لمحے لمحے**،ص۳۶۳۔۳۶۴

۳۵۔ آزاد، جگن ناتھ، **نشان منزل**، ص۱۸۱
۳۶۔ یاسمین کوثر، ''ڈاکٹر وحید قریشی سے بالمشافہہ گفتگو'' (لاہور: بزمِ اقبال، ۱۳ دسمبر ۱۹۸۹ء)
۳۷۔ ماہنامہ **العطش**، ص۸
۳۸۔ آزاد، جگن ناتھ، **نشانِ منزل**، ص۲۵
۳۹۔ خلیق انجم، مرتب **جگن ناتھ آزاد حیات اور ادبی خدمات**، ص۲۸۴
۴۰۔ سہ ماہی **لمحے لمحے**، ص۴۶۲
۴۱۔ آزاد، جگن ناتھ، **محمد اقبال: ایک ادبی سوانحِ حیات** (نئی دہلی: ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، مارچ ۱۹۸۳ء) ص۱۱
۴۲۔ خلیق انجم، مرتب، **جگن ناتھ آزاد حیات اور ادبی خدمات**، ص۳۱۱۔۳۱۲
۴۳۔ ظہورالدین اظہر، ڈاکٹر، مرتب، **ارمغان آزاد**، ص۱۱۷
۴۴۔ ماہنامہ **الحمرا** (لاہور: جولائی ۲۰۱۳ء) ص۱۸